تحریر۔ سید ضمیر جعفری
روایت: ظفر اقبال سلیم

امیر شریعت کا ایک سفارشی خط

بعض لوگوں کی گفتگو اتنی رس بھری ہوتی ہے کہ اگر وہ عین مین اپنا کہا ہوا لکھ دیں تو ایک دلچسپ مطالعہ مرتب ہو جائے ہمارے دوست ظفر اقبال سلیم کو قدرت نے یہ جوہر بڑی فیاضی سے عطا کیا ہے ایک مرتبہ انہوں نے ہمیں امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کے ایک سفارشی خط کی روداد سنائی جو تقریباً انہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

میں ایم اے پاس کر کے اپنے آبائی شہر سانگلے چلا گیا۔ کراچی سے ایک دوست نے جو میری طرح تازہ تازہ ایم۔ اے پاس کر کے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا تھا۔ خط لکھا کہ یہاں کراچی کے ایک کالج میں لیکچرار کی آسامی خالی ہے۔ پرنسپل صاحب تقرر کے مجاز ہیں۔ سنا ہے کہ پرنسپل صاحب سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے ارادت رکھتے ہیں تم یوں کرو کہ ان سے ایک سفارشی خط لیکر بھیج دو۔

میں شاہ صاحب کو ان کے قائدانہ مرتبے اور خطابت کی شہرت سے تو جانتا تھا لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ جیل کے اندر ہیں یا جیل کے باہر۔ حمید نظامی صاحب سے میرے مراسم تھے۔ ان سے اتا پتا دریافت کیا معلوم ہوا کہ شاہ صاحب ملتان میں قیام پذیر ہیں۔

سانگلے کی ریل گاڑی تڑکے تڑکے ملتان پہنچتی تھی۔ میں اس شہر سے قطعاً واقف نہ تھا۔ اسٹیشن سے نکلتے ہی ایک صاحب سے جنہوں نے جون کے مہینے میں مغربی سوٹ بوٹ ڈانٹ رکھا تھا شاہ صاحب کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے نہ صرف لاعلمی ظاہر کی بلکہ کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اے نوجوان! ہم سرکاری ملازم ہیں ہم تو ادھر سے گزرتے ہی نہیں جہاں سے شاہ صاحب کا گزر ہو" (جیسے کہہ رہا ہوں کہ ہم بہو بیٹیاں یہ کیا جانیں) مگر دوسرے ہی آدمی نے جو عوام الناس کے مانند کٹا پھٹا تھا شاہ صاحب کے ٹھکانے کی نشاندہی کر دی۔ اگرچہ موصوف صرف اتنا ہی بتا سکے کہ شاہ صاحب حسین آگاہی کی کسی مسجد میں درس دیتے ہیں۔ (۱)

ملتان خدا کے فضل سے مساجد کا شہر ٹھہرا۔ حسین آگاہی میں دو مسجدیں جھانکنے کے بعد تیسری میں جا کر امید بر آئی۔ وہ بھی بقدر نصف۔ مسجد میں بچے قرآن پاک تو پڑھ رہے تھے مگر شاہ صاحب کی بجائے کوئی (۲) اور مولوی صاحب درس دے رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ شاہ صاحب گھر پر ہیں کیونکہ ان کی طبیعت چند روز سے ناساز ہے۔ میں نے مولوی صاحب سے کہا۔ "مولانا! میں بڑی دور سے آیا ہوں۔ حاضری ضروری ہے براہ کرم

۱۔ ان صاحب کو سہوا ہوا۔ شاہ جی اُس مسجد میں درس نہیں دیتے تھے۔

۲۔ حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب پانی پتی رحمہ اللہ جو حضرت شاہ جی کے تین بیٹوں کے استاد تھے اور مسجد سراجاں حسین آگاہی میں بچوں کو قرآن کریم حفظ کراتے تھے۔ (کفیل)

کوئی شاگرد رہنمائی کے لئے میرے ساتھ کر دیجئے" مولوی صاحب قدرے ہچکچائے کچھ دیر مجھے سر سے پاؤں تک دیکھتے رہے۔ انکار کرنا چاہتے تھے مگر نہ کر سکے کہ۔

مروت حسن عالمگیر ہے مردانِ غازی کا

آخر ایک شاگرد میرے ساتھ کر دیا مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ دور سے آستانہ دکھا کر واپس آجائے گا۔

آستانہ مسجد سے خاصا دور تھا۔ ہم وہاں تک تانگے پر گئے۔ شاگرد نے استاد کے حکم کی حرف بہ حرف تعمیل کی دور سے شاہ صاحب کے آستانے کی نشاندہی کر کے لوٹ گیا۔

دل کو پہلا دھچکا مکان کو دیکھ کر لگا۔ ہمارے ملک میں ایک بطل جلیل اور اتنے معمولی سے مکان میں رہائش پذیر۔ دروازے پر دستک دی تو ایک مولوی صاحب نکلے وہ مجھے اندر لے گئے۔ شاہ صاحب پہلے ہی کمرے میں تشریف رکھتے تھے۔ جو خاصا کشادہ تھا۔ چٹائی بچھی تھی۔ برصغیر پاک و ہند کا شعلہ نوا خطیب اور جنگ آزادی کا عظیم مجاہد ایک دیوار کے قریب ایک پرانے سے تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ چند کاغذات سامنے بکھرے پڑے تھے۔ ایک پلندہ تکیے کے نیچے دبا رکھا تھا۔ میں نے سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیکر جس میں تپاک کی گرمی تھی پھر اپنے کاغذات پر جھک گئے۔ چند کاغذات تکیے سے نکالے۔ چند تکیے میں رکھے۔ پھر خاکسار کو ایک نگاہ بندہ نواز سے نوازا اور گویا ہوئے۔ "عزیزم! آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ کھو فقیر کے پاس کیسے آنا ہوا؟

اس سے پیشتر کہ میں کچھ عرض کرتا۔ فرمایا! "ماشاء اللہ! آپ ابھی نوجوان ہیں۔ انگریزی آپ کے چہرے پر لکھی ہے ابھی عملی زندگی کی دہلیز پر کھڑے ہیں کیا آپ کو کسی نے فقیر کے ہاں آنے سے روکا نہیں؟

میں بات نہ سمجھ سکا اور بولا "حضور کوئی مجھے کیوں روکتا۔

شاہ صاحب کا چہرہ مسکراہٹ سے کھل اٹھا فرمایا۔ "ہمارے دروازے پر سی آئی ڈی کی نگرانی رہتی ہے کہیں آپ کا نام بھی گروہِ وفامستان کی فہرست میں نہ لکھ لیا جائے لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔"

میں دل میں قدرے ہراساں تو ہوا کہ دوست کو نوکری دلواتے دلواتے کہیں اپنی ملازمت ہی سے ہاتھ نہ دھو بیٹھوں۔ بہرحال دل گردے پر ہاتھ رکھ کر ذرا کراری سی آواز میں اپنا مدعا بیان کیا اور حضرت کی خدمت میں باریابی کے متعلق اپنے اشتیاق اور جگر داری کا جذبہ حفیظ جالندھری کے ایک مصرع میں اس طرح ظاہر کیا کہ۔

دونوں جہاں ہیں آج مرے اختیار میں

عرضِ مطلب سننے کے بعد شاہ صاحب کی پیشانی پر ایک لحظے کے لئے ایک متفکر سی شکن نمودار ہوئی جو دوسرے ہی لحظے ایک دل نواز تبسم میں ڈھل گئی۔

"صاحبزادے! آپ نے جن پرنسپل صاحب کا نام لیا ہے میں تو ان سے واقف نہیں وہ شاید مجھے

جانتے ہوں، خیر!"

کمرے کے گوشے میں شاہ صاحب کی نشست کے نزدیک پانی کی ایک صراحی اور ٹین کا ایک ڈبہ رکھا تھا۔ آپ نے صراحی سے پانی اور ڈبے سے کچھ دیسی شکر نکالی۔ اور ایک کلاسیکی کٹورے میں شربت گھولنے لگے۔ باتیں بھی ہو رہی تھیں شربت بھی تیار ہو رہا تھا۔ ادھر میرا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ کہیں یہ مشروب میری ہی تواضع کے لئے نہ بن رہا ہو۔ میں نے دیسی شکر کا شربت کبھی پیا نہ تھا۔ برف بھی نہ تھی۔ حالانکہ جون کا مہینہ تھا۔ لیکن جب شاہ صاحب نے شربت میری طرف بڑھایا تو میں پورا کٹورا غٹاغٹ ایک سانس میں پی گیا۔ شاہ صاحب غالباً میرے چہرے کا اڑتا ہوا رنگ بھانپ گئے تھے۔ فرمایا "فقیر کے ہاں تو یہی کچھ حاضر ہے۔"

وہ زبان سے کچھ بھی نہ کہتے تو میرے لئے ان کی ایک نگاہ ہی کافی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ دیسی شکر کے اس ایک کٹورے نے زندگی سے میرے ربط کا زاویہ ہی بدل کر رکھ دیا۔

"میں ان صاحب کو جانتا تو نہیں" شاہ صاحب کہہ رہے تھے۔ "بہرحال" اگر میرے چند لفظوں سے کسی کا کام سنور جاتا ہے تو اس سے میرے دل کو بھی آسودگی ملے گی۔ ہم کرسی پر تو نہیں۔ تاہم بعض لوگ ہماری بات سن بھی لیتے ہیں" یہ کہہ کر آپ نے یہ مصرع پڑھا۔

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

اب آپ نے تکیے کے نیچے سے کورا کاغذ نکالا اور رواں دواں چند سطور لکھ دیں۔ زندگی میں اب تک ہم نے ہزاروں سفارشی خط دیکھے ہیں۔ لیکن اتنی غیر سفارشی سفارش ہماری نظر سے نہیں گزری۔ لکھا تھا کہ "ہر چند فقیر کو آپ سے کوئی سابقہ نیاز تو حاصل نہیں لیکن ایک نوجوان کی ضرورت کے احساس سے یہ سطور لکھ رہا ہوں"۔ یہاں تک تو سفارش ٹھیک چل رہی تھی لیکن آگے آپ نے صاف صاف یہ لکھ دیا کہ "اگر یہ کام آپ کے ہاتھوں ہو گیا تو گویا یہ کام آپ نہیں کریں گے بلکہ خدا کرے گا۔ اور اگر خدا کو منظور نہ ہوا تو ظاہر ہے یہ کام آپ نہیں کر سکتے"۔

شاہ صاحب نے کچھ غلط بات نہیں لکھی تھی مگر آج کے زمانے میں اتنی درست بات کون سنتا ہے؟ سفارش کی زبان پر خود ہمارے دل میں کھد بد ہو رہی تھی۔ ہمارا کمزور ایمان ڈگمگا رہا تھا کہ ایسی سفارش پر جس میں آدمی کے پاس کوئی اختیار ہی نہ رہنے دیا گیا ہو بھلا کوئی آدمی کیوں دھیان دے مگر صاحب! ہمارے دوست کو وہ آسامی مل گئی۔ سچ ہے کہ خدا اتنا ہی نہیں ہے جتنا آدمی کو نظر آتا ہے۔

میں سفارشی خط جیب میں رکھ کر الفاظ سپاس ہی سوچ رہا تھا کہ ناگاہ حضرت نے ایک سوال پوچھ لیا۔

"ہم نے ایک خبر پڑھی ہے کہ انٹرنس کے امتحان میں موسیقی، نصاب میں ایک مضمون کی حیثیت سے شامل کی جا رہی ہے

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ

یہ کیا فتنہ کلاہ برپا ہو رہا ہے؟ آپ کو تو کچھ خبر ہو گی کہ آپ تازہ واردانِ بساطِ نو میں سے ہیں۔ کچھ اس نئے

فشار گیسو وچاک قبا کا حال تو بتائیں۔"

واقعہ یہ تھا کہ مجھے نصاب تعلیم میں اس تبدیلی کی قطعاً کوئی خبر نہ تھی ہم اپنی تعلیم ختم کر چکے تھے اس کے بعد درس اور مدارس میں

اپنی بلا سے بوم بسے یا ہُمار ہے

مجھے چاہیئے تھا کہ میں سیدھے سیدھے دو چار لفظوں میں اپنی پوزیشن واضح کر دیتا کہ حضور میں اس خبر کی صحت یا عدم صحت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا مگر شاید شاہ صاحب کی نغز گفتاری نے میرے اندر چھپا ہوا کالج یونین کا سابق جنرل سیکرٹری بیدار کر دیا۔ میرے منہ سے نکل گیا۔

"حضرت! یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ موسیقی انٹرنس کے نصاب میں شامل کی جا رہی ہے یا نہیں مگر حضور کسی انگریز مفکر کا قول ہے کہ موسیقی روح کی گرد کو دھو ڈالتی ہے"

شاہ صاحب نے اس پر ایک زبردست قہقہہ لگاتے ہوئے فرمایا۔ "مجھے ڈر ہے موسیقی گرد کے علاوہ کہیں پوری روح ہی کو نہ دھو ڈالے"

دو ایک جملے تو انہوں نے شگفتہ شگفتہ طنز میں ادا فرمائے جن میں مجھے مخاطب کر کے اقبال کا یہ مصرع بھی سنایا کہ

ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

لیکن دو چار جملوں کے بعد وہ جلال میں آ گئے۔ خطابت کا دریا چڑھاؤ پر آ گیا۔ وہ باقاعدہ تقریر کرنے لگے۔ جیسے ان کے سامنے میں اکیلا نہ بیٹھا تھا بلکہ حاضرین کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

کیا نظام تعلیم پر تیر برس رہے تھے۔ "یہ کیا نظام تعلیم ہے جو بے چینی کے سوا کچھ نہیں دے سکتا؟ جو دختران ملت کو نچوانے پر تلا ہوا ہے"

حکومت کے پرزے اڑ رہے تھے۔ "تعلیم کم ہے تحریص زیادہ ہے پبلسٹی پر زور ہے قلندری نے خواجگی کی قبا اوڑھ لی ہے"

کچھ مخلوط اقوال تھے مثلاً۔ "شہزادے تب بگڑتے ہیں جب وہ علماء سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

تعلیم کی غایت کو اسلام کے نظام عدل و معاش سے مربوط کرتے ہوئے فرمایا۔ "اسلام اپنی ایک نئی دنیا پیدا کرتا ہے۔ اسلام اپنی علیحدہ پہچان رکھتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں آدمی کا سماجی مرتبہ۔ رنگ، نسل، دولت وغیرہ سے متعین نہیں ہوتا اعمال سے متعین ہوتا ہے۔"

ایک ذاتی سی فہمائش جو مجھے ہمیشہ یاد رہے گی یہ فرمائی "بیٹا! محرومیوں کے باوجود اپنی ذات پر اعتماد قائم رکھنا۔ قوموں کی زندگی ایک تسلسل کا نام ہے۔ اس تسلسل کو زندہ رکھنا"

شاہ صاحب کے ایک ایک لفظ سے اضطراب و جلال کا دریا چھلک رہا تھا۔ ان کی آواز دور دور تک جا رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے کوئی زخمی شیر دھاڑ رہا ہو۔

میں بلکہ سارا ماحول اس وقت شاہ صاحب کے سحر خطابت میں جھوم رہا تھا۔ حقائق دل میں ترازو ہو

رہے تھے۔ ادب کا سرچشمہ ابل رہا تھا۔ وہاں سے اٹھنے کو جی تو کیا چاہتا مگر ساتھ ہی ڈر لگ رہا تھا کہ اگر سی آئی ڈی نے پہلے چشم پوشی سے کام لیا بھی تو اب ضرور دھر لے گی۔ چنانچہ ایک مقام پر جیسے ہی ان کا آشوب دل ذرا دھیما ہوا ہم اجازت لے کر آستانے سے باہر نکل آئے مگر بہت دور تک قدم اور دل بوجھل بوجھل رہے۔ یہ ملال کا بوجھ تھا کہ دیکھو جو شخص اس ملک کی آزادی کے لئے اپنے خون جگر سے چراغ روشن کرتا رہا اس کے حجرے میں بتی نہ دیا ہے!

(بشکریہ اردو ڈائجسٹ دسمبر ۱۹۸۳)

خطیبانِ عصر کے نام

مقرر کے لئے خوش گفتار اور خوش خلق ہونا لازم ہے۔ قرآن مجید کی دعوت سراسر خوش خلقی پر مبنی ہے۔ ایک شخص مبلغ بھی ہو اور بدخلق بھی تو وہ نہ صرف اپنے علم اور دعوت کا دشمن ہے بلکہ لوگوں میں بُرے اثرات پیدا کرتا ہے۔ انسان کے بہت سے روگ اس کی زبان سے پیدا ہوتے ہیں۔ جس انسان کی زبان قابو میں نہیں وہ اپنا دشمن ساتھ رکھتا ہے۔ اگر تم مخلوق خدا کے دلوں پر قبضہ کرنا چاہتے ہو تو اپنے اندر خوش خلقی کی صفات پیدا کرو۔ خوش گفتاری اگر گفتگو یا تقریر کا جوہر ہے تو خوش خلقی انسان کا زیور۔ خطابت انبیاء کی میراث ہے۔ ہر نبی بنیادی طور پر خطیب ہی ہوتا ہے۔ مصنف نہیں۔ انبیاء کرام نے خطابت کے ذریعہ ہی اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا ہے۔ اللہ نے موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو فرعون سے ہم کلامی کے لئے نصیحت فرمائی۔ وقولالہ قولا لینا لعلہ یتذکرا ویخشی کہ آپ دونوں فرعون سے نرم و گداز گفتگو فرمائیں۔ ہو سکتا ہے وہ نصیحت حاصل کرے اور قرآنِ کریم نے حسنِ مخاطبت کی تذکیر عام یوں فرمائی۔

"وقولوا للناس حسنا" بات وہ کرو جو حُسن بکھیرے۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری